مقالات

اجتماعیت کی شیرازہ بندی

افاداتِ سورۂ حجرات

(از جناب ڈاکٹر عبدالقوی لقمان صاحب، لاہور)

عالمِ انسانیت کے حالیہ مصائب مشرق سے لے کر مغرب تک اور شمال سے لے کر جنوب تک جہاں کہیں انسانی نسل آباد ہے، آج ہر طرف بے چینی، اضطراب، مصیبت، تباہی و بربادی اور تزلزل و انتشار کے عجیب وحشتناک اور پُرالم مناظر دیکھنے میں آتے ہیں۔ دنیا ایسے دورِ انقلاب سے گذر رہی ہے جس میں کئی انقلابی محرکات اُلجھ کر گتھم گتھا ہو رہے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سارے کا سارا نظامِ حیات زیر و زبر ہو کر کسی نئے نقشہ پر مرتب ہونے والا ہے اور پرانے نظام کی بوسیدگی و فرسودگی سے اُکتا کر منتظمانِ قضا و قدر یہ پکار اُٹھے ہیں:-

بیا تا گُل بیفشانیم و مے در ساغر اندازیم
فلک را سقف بشگافیم و طرحِ نو در اندازیم

انقلاب کی بد ترین ہولناکی اُن ممالک میں برپا ہے جہاں جنگ کے شعلے بھڑک رہے ہیں۔ یورپ کے تمدن زاروں پر نگاہ کیجیے کہ کیا سے کیا ہو گئے ہیں۔ آبادیاں ویران ہیں، اور ویرانے محشرستان۔ سربفلک محلات آتش زدگی اور بربادی کی ہولناک داستان سنانے کے لیے اپنا انجر پنجر آسمان کو دکھا رہے ہیں۔ سرسبز جنگل اور زرخیز زرعی میدان جلے بجھے کوئلوں کے ڈھیر اور بے ترتیب خس و خاشاک کے انباروں سے اٹے پڑے ہیں۔ آہ! کیا تقدیرِ امم کا مفسر وَجَعَلْنَاهُمْ حَصِيدًا خَامِدِينَ کی واقعی تفسیر سمجھا رہا ہے؟

جس سائنس کی ترقی نے انسان کو مہذب و متمدن بنانے میں کئی صدیوں کی مسلسل محنت سے ارتقائی الفلاح حال پیدا کرنے میں مذہب و اخلاق کے روحانی نظام کا ہاتھ بٹایا تھا، اب وہی سائنس انقلاب کے فرشتوں کے لیے ایسے ایسے ہلاکت آفریں اسلحہ تیار کر رہا ہے اور بربادی کے ایسے بھیانک مناظر آنکھوں کے سامنے لا رہا ہے کہ الامان والحفیظ۔ نہ کسی آنکھ نے اس سے پہلے تباہی کا ایسا سماں دیکھا، نہ کسی کان نے ایسے مہالک سنے اور نہ کسی ذہن نے ان کا تصور باندھا۔ جن ممالک میں جنگ کا دیو دندناتا پھر رہا ہے اُن کی دکھ بھری داستان سے تصور تک کی روح لرزتی ہے۔ باقی دنیا پر مسموم دھوئیں کے بادل، دبی دبی آگ کی چنگلی کھا رہے ہیں اور رُبعِ مسکون کا کوئی حلقہ ایسا نہیں ہے جہاں انقلاب کسی نہ کسی عنوان سے اپنے دانت نہ تیز کر رہا ہو۔ ہمارے وطن کے کئی دروازوں پر جنگ کی دستک سنائی دے رہی ہے۔ لیکن اس سے بڑھ کر انقلاب آفریں خودغرضی اور نفرت و کدورت کے وہ عناصر ہیں جو اندر ہی اندر کئی طبقات میں آتش فشاں پہاڑ کے لاوے کی طرح کھول رہے ہیں اور کسی آن دنیا کو لرزا یا ہی چاہتے ہیں۔

ان حالات میں یہ قدرتی امر ہے کہ ہر شخص سوچے ہمیں کیا کرنا چاہیے؟ اربابِ سیاست اپنی اُدھیڑ بُن میں ہیں، فوجی اور عسکری جماعتیں اپنی کھچڑی پکا رہی ہیں، عوام ہراسانی و سراسیمگی کی متحرک تصاویر بن رہے ہیں۔ سرمایہ دار لوگوں کا عشق زرِ ہر پانی بخار کی انتہا کے آثار کا آئینہ دار ہے اور طرح طرح کے تشنج کے دوروں کی شکل اختیار کر رہا ہے۔ کہیں وہ جونکیں بن کر غریبوں کا خون تک چوس جانے کا جتن کر رہے ہیں، اور کہیں سرمائے کو سونے چاندی میں بدل کر دفن کرنا چاہتے ہیں۔ کوتاہ اندیش تجارت پیشہ لوگ اپنی پونجی کو اس طرح چھپانا چاہتے ہیں کہ ہر عمومی مصیبت ان کے لیے منفعت کی کلید بن جائے۔ کچھ لوگ اناج اور ضروریاتِ زندگی کو چوہوں کی طرح اپنے انفرادی بلوں میں ذخیرہ کرنے کی فکر میں ہیں۔ اور سمجھتے ہیں کہ اس تدبیر سے انقلاب کی رَو رُک نہ گئی تو وہی شترمرغ کی طرح اپنا سر ریت میں دبا کر اس کے اثر سے بچ جائیں گے۔ لیکن کسی کو بھی اپنی تدبیروں پر راحتِ ضمیر حاصل نہیں۔ کیونکہ ہر ہر جتن کے ساتھ خدشات وابستہ ہیں۔ ممکن ہے ابھی سونے چاندی کے ڈھیروں کے عوض جان جان

جو کھوں سے سمیٹے جا رہے ہیں، جانیں گنوانی پڑیں ممکن ہے پرانی دشمنیاں اور زیر دستوں کے ساتھ زیادتیاں اجل کا پیام بن کر بدامنی میں سامنے آموجود ہوں۔ بڑے وقت میں تو ایک ایک روٹی اور گھونٹ بھر پانی کے لیے لوگ ایک دوسرے کا گلا گھونٹ دیتے ہیں۔ تو کیا خوراک کے ذخیرے بھوکوں کو حملے کی دعوت نہ دیں گے؟ یا سونے چاندی کے دفینے لٹیروں کو موت و عذاب کے فرشتے نہ بنا ڈالیں گے؟

ہمہ گیر مصیبت کے اسباب

اس بد بختی کا علاج یا اس نحوست کا دفعیہ ہم جبھی کر سکتے ہیں کہ اس کے اسباب پر ہماری نظر ہو۔ مرض کے سبب کی قطعی تشخیص ہی تیر بہدف علاج کی طرف راہ نمائی کر سکتی ہے، ورنہ اندھیرے میں ٹامک ٹوئیے مارنے سے علاج شفا بخش نہ ہو سکے گا۔ آئیے! دنیا بھر میں نظام حیات کے تزلزل کے حقیقی اسباب اور سماج کی بنیادوں کو کھوکھلا کر دینے والے روگ کی اصلی کنہ کا کھوج لگانے کی کوشش کریں۔

اجتماعی زندگی میں انسانی مزاج کے دو سانچے پائے جاتے ہیں یا دو قسم کی ذہنیتوں سے سابقہ پڑتا ہے۔

(۱) انفرادی، خود پسندانہ یا خود غرضانہ۔ (۲) نوعی، اجتماعی یا سماجی۔

(۱) انفرادی میلانِ فکر یا ذہنیت یہ ہے کہ ہر بات میں، ہر موقع ہر اقدام سے پہلے فرد کو اپنی تسکین، اپنی راحت، اپنے بقاء، آسائش اور سہولت کا خیال مقدم ہو۔ جب تک اپنی ضرورت پوری نہ ہو چکے نوع، اجتماع یا اجتماعیت کی ضرورتوں کا خیال ہی نہ آسکے۔ ہر نفع میں اپنے لیے اولیت مقصود ہو اور جب کوئی تکلیف یا مصیبت آپڑے یا کسی آزمائش سے سابقہ پڑ جائے تو اسے اپنی ذات سے دوسروں پر ٹالا جائے۔ اس میلانِ فکر کو خود غرضی، انانیت یا نفسانیت (SELFISHNESS) کا نام دیا جاتا ہے۔ اس ذہنیت کے خواص یہ ہیں کہ مال و املاک اور آسائش و معیشت کے اسباب سے محبت ہوتی ہے، اس کے حصول کے لیے دوڑ دھوپ ہوتی ہے، اور جتنا مال و اسباب بڑھتا ہے اسی قدر اس کی طلب تیز ہوتی ہے اور ہمیشہ ”ھل من مزید“ ہی کی صدا بلند ہوتی ہے۔ اسباب معیشت کی فراوانی اور طاقت کی افزائش کا گھمنڈ پیدا ہوتا ہے جو اپنی نمائش بھی چاہتا ہے اور داد بھی۔ معیارِ زندگی بلند ہو جاتا ہے اور اس کے حق میں تعصب دل و دماغ پر مستولی ہو جاتا ہے، یعنی اپنی

اپنی مملوکات، صفات اور زندگی کے طور طریقوں کی ستائش کی طلب ہوتی ہے اور کم نصیب یا محروم القسمت لوگوں کو گھٹیا اور ہیچ خیال کیا جاتا ہے۔ ہر اقدام کے لیے داعیہ فقط اپنی خواہش ہوتی ہے اور مقصد براری کی راہ میں کوئی نظامِ اخلاق یا اجتماعی تخیل روک نہیں ہوتا۔ یہی طاقت اور بربادی و ہلاکت کے ہتھیاروں سے اپنی بات منوائی جاتی ہے اور اگر دلیل پیش کی جاتی ہے تو گھونسے، تلوار، بم اور توپ۔ دل میں کسی نظامِ عدل کے احترام کی گنجائش نہیں ہوتی۔

(۲) اجتماعی اندازِ فکر یا میلانِ طبع کا خاصہ یہ ہوتا ہے کہ نوع، جماعت، سماج یا اجتماعیت کی بقا افراد پر مقدم ہو۔ اجتماعی منفعت اور نوعی بقا کو مقصودِ اصلی قرار دیا جائے اور اگر ضرورت پڑے تو اجتماعیت کی بقا اور سربلندی کی خاطر افراد کی آسائش اور ضروریات ہی کو نہیں، ان کے وجود کو بھی قربان کر دیا جائے۔ اس اندازِ فکر سے نوع پروری، ہمدردی اور اخوت کے جذبات پرورش پاتے ہیں۔ انفرادی تقاضوں میں قناعت اور سیر چشمی پیدا ہوتی ہے۔ مصیبت کو صبر و شکیبائی سے جھیلنے کی عادت بنتی ہے۔ اجتماعیت کی خاطر انفرادی ضرورتوں اور طبعی تقاضوں کی تسکین سے باز رہنے میں لذت اور قلبی سرور حاصل ہوتا ہے اور نوع کی خاطر جان دے ڈالنا اور مال و املاک قربان کر دینا آسان ہی نہیں دل پسند بھی ہوتا ہے۔ اس ذہنیت کا انسان سچائی اور حق کی طاقت سے سہارا ڈھونڈتا ہے۔ دل قدرت کے قائم کردہ نظامِ عدل کے یقین و احترام سے معمور ہوتا ہے۔ اختلاف کی صورت میں دلیل اور برہان سے دوسروں کے دل اور دماغ کو اپیل کرتا ہے اور بجز دفاعی مجبوری کے تلوار نہیں اٹھاتا۔

نتیجہ کے اعتبار سے انفرادی اندازِ فکر تخریبی اور فساد انگیز ہے اور اجتماعی ذہنیت تعمیری اور امن پرور۔ دنیا کی زندگی میں انسان اجتماعی زندگی پر تو مجبور ہے۔ لیکن اس بارے میں اُسے کامل اختیار ہے کہ اپنا مزاج خود غرضانہ رکھے یا اس کے دل میں نوع پروری بسی ہو۔ اسی اختلافِ طبیعت پر تعمیری اور تخریبی کشمکش جاری رہتی ہے۔ خود غرض لوگ اپنے جیسے غرض کے بندوں کی ایک ٹولی میں جمع کر لیتے ہیں اور بڑے پیمانے پر غرض

پرستی کی کلیں گھمانا شروع کر دیتے ہیں۔

فطرت کا قانون یہ ہے کہ ہر عمل کا ایک جواب ہوتا ہے جسے اس کا ردّعمل، ردّ فعل یا ری ایکشن (REACTION) کہتے ہیں جس کی کیفیت اصل عمل سے متضاد ہوتی ہے۔ خود غرضی، انانیت، نفسانیت یا انفرادی انداز فکر لازماً ردّعمل پیدا کرتا ہے۔ جو دوسرے کی روٹی چھین کر اپنا پیٹ بھرے گا، دوسرے اس کی روٹی چھیننے کا جتن کریں گے۔ اور جو دوسرے کی مصیبت کے لیے اپنے کو ڈھال بنائے گا دوسرے بھی اس کے لیے جان چھڑکنے کے لیے آمادہ ہو جائیں گے۔ اس قانون فطرت کا اثر یہ ہے کہ انفرادی انداز فکر سے فرد اپنے گرد و پیش مخالفانہ ردّعمل پیدا کر کے انجام کار اپنے آپ کو دشمنی کے ماحول میں بے یار و مددگار پاتا ہے۔ اجتماعی انداز فکر سے بالآخر فرد محفوظ اور منفعت کے ماحول میں پہنچ جاتا ہے جو اس کی اپنی نوع پرورانہ مساعی کے دوسرے لوگوں کے دلوں پر ردّعمل کا ثمرہ ہوتا ہے۔ فطرت ہر آویزش اور کشمکش میں آخری فتح اسی کو دیتی ہے جو نوع کے لیے نفع رساں ہو[1] اور فساد اور تخریب کی طاقتیں وقتی اور عارضی جیت یا سنبھالوں کے باوجود انجام کار فنا کے گھاٹ اُتار دی جاتی ہیں۔

دنیا کے عمومی اضطراب اور مصائب کی تہ میں یہی غرض پرستی کے عناصر کام کر رہے ہیں۔ ایک طویل مدّت سے یہ سلسلہ چل رہا ہے کہ بعض انسانی گروہوں نے دولت اور سر و سامانِ معیشت پر قبضہ کرنے کے لیے چنڈال چوکڑیاں بنا رکھی ہیں اور ٹھگوں، اٹھائی گیروں اور ڈاکوؤں کی ٹولیوں کی طرح اپنے جتھوں کو اس سے مسلح کر رکھا ہے کہ دوسروں کو لوٹ لوٹ کر اپنی ملکیت کے انبار لگائے جائیں۔ اسی خود غرضی نے کئی بھیس بدلے اور کئی بہروپ بھرے۔ لیکن ہر رنگ میں فطرت کے قوانین نے اس کا جواب دیا۔ اسی دور تاریخ میں کئی قسم کی

---

[1] وَاَمَّا مَا يَنفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِي الْاَرْضِ ۔ جو چیز انسانوں کے نفع کی ہوتی ہے وہ باقی رہتی ہے۔ (رعد)۔ یہاں قدرت کا یہ اصول وضاحت کے ساتھ بیان کر دیا گیا ہے کہ کائنات کے کارخانہ میں بقاء نفع کا اصول کار فرما ہے۔ بے کار ردّی چیز فنا کر دی جاتی ہے اور نفع رساں مفید عام چیزوں کے لیے بقاء اور قیام مقدر ہے۔

منظم جماعتوں کے درمیان فیصلہ کن طاقت آزمائی ہو رہی ہے۔ اور قوانین قدرت اپنا کام کر رہے ہیں۔ کوتاہ نظر اور عاقبت نا اندیش قوموں نے اپنی منفعت کی خاطر دوسروں پر عرصۂ حیات تنگ کرنے کی ٹھان رکھی ہے۔ اور فاسد جماعتیں اور اغراض، باہم ٹکرا کر لڑ مر رہی ہیں۔ جب تک غرض پرستی کا کیش غالب ہے ایک عالمگیر جنگ کے بعد دوسری عالمگیر جنگ برپا ہوتی چلی جائے گی۔ یہاں تک کہ فطرت کا ہاتھ فساد و تخریب کے عناصر کو چن چن کر مغلوب اور فنا کر دے۔

علاج | اس عمومی ہلاکت اور مصیبت کا علاج یہی ہے کہ انسانوں کو ایسی اجتماعیت کے شیرازے میں باندھا جائے جو فطرت کے منشاء اور قوانین کے مطابق ہو۔ جس کی بنیاد نوع پروری پر ہو۔ جو ساری انسانی آبادی کے لیے رحمت کا پیغام رکھتی ہو اور جو ایسے نقشے پر منظم کی جائے جس پر نظام کائنات[۱] خود قائم ہے۔ اور اس کی زندگی کی ضامن وہی رو ہو جو کارخانۂ حیات کے ہر ہر پرزے میں روح کی طرح جاری وساری ہے۔ یہ اجتماعیت دنیا میں ایسا نظام حیات نافذ کرے جس کے تحت ساری انسانی آبادی سکھ اور راحت ضمیر کی زندگی گزار سکے۔ کسی گروہ کی خود غرضانہ آمریت کسی دوسرے گروہ کو ذلیل اور مظلوم و مقہور بنا کر نہ رکھ سکے۔ ہر فرد کا طرز زندگی نوع پرورانہ اور اجتماعی ہو اور اجتماعیت ہر فرد کی جسمانی و روحانی ضرورتوں اور تقاضوں کی کماحقہ تسکین کی کفیل ہو۔

---

[۱] سرگروہ انبیاء علیہم السلام کی بعثت کا منشاء اللہ نے بیان فرما دیا وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ یعنی آپ کو بھیجنے کا مقصد بجز اس کے کوئی نہیں کہ آپکا وجود اور آپ کا نظام دنیا جہان کے لیے رحمت ہی رحمت ثابت ہو۔ اسی عنوان کی روشنی میں اس آیت کریمہ کے مضمون پر بھی غور کیجیے۔ هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ (وہ وہی ذات ہے جس نے اپنے پیغامبر کو اس غرض سے بھیجا ہدایت کے ساتھ اور مبنی برحق نظام دے کر تاکہ اس کے نظام حق کو تمام مروجہ نظاموں پر غالب کر دے اگرچہ ایسا ہونا مشرکوں کو گوارا نہ ہو۔

آئیے اب ذرا جماعت بندی اور اس کی تنظیم و تشکیل کے متنوع اور بوقلموں نقشوں یا مروجہ ادیان کا جائزہ لے کر دیکھیں اور ان کے حسن و قبح کا موازنہ کریں تاکہ صالح ترین اجتماعی نظام یعنی دینِ حق کا سراغ مل سکے۔

اپنے غارِ تنہائی کے زاویے یا خلوت کے حجرے سے نکل کر جب انسان دوسروں کے ساتھ مل جل کر رہنا شروع کرتا ہے تو اس پر اجتماعی زندگی کے اسرار و رموز کھلنے شروع ہوتے ہیں اور طرح طرح کے اجتماعی تجربے ہونے لگتے ہیں۔ کامیابی اور فوز مرام کا سہرا انہی لوگوں کے سر بندھتا ہے جو مضبوط جماعت اور بڑا جتھا بنا کر اس کا شیرازہ مستحکم کر لیتے ہیں۔ اجتماعی ٹکراؤ اور تزاحم میں بہتر انسانی تنظیم کمتر تنظیم پر غالب آتی ہے اور فتح و نصرت اسی کے قدم چومتی ہے جس کی جماعت بہتر ہوتی ہے۔ ایسی کامیاب اور صالح اجتماعیت میں تمام افراد نظام کے شیرازے میں ایسے بندھے ہوئے ہوتے ہیں جیسے بھنچی ہوئی مٹھی میں ہاتھ کی انگلیاں اور تمام افراد باہم دگر متحد ہو کر خوش حالی اور مصیبت میں، بھلے اور برے میں، سرد و گرم میں ایک دوسرے کا ساتھ نہیں چھوڑتے۔ سارے جتھے کا ایک ہی مقصد ہوتا ہے، ایک ہی منزل اور ایک ہی راہ۔ ہر فرد کے دل کی ایک ہی لگن ہوتی ہے اور سب کے حال کی ایک ہی کیفیت۔ اگر فتح ہے تو سب ہی کی اور شکست ہے تو سب کی جماعت کا ہر ہر فرد اپنی بساط اور مقدور کے مطابق اپنے مال و جان کو جماعت کے مشترک مفاد پر چھڑک دیتا ہے، بھینٹ چڑھا دیتا ہے۔ اور اگر جماعت کے مقصد کی راہ میں موت آجائے تو فنا کا جام اس مزے سے چڑھا جاتا ہے گویا اسی کی پیاس میں منزلیں مارتا چلا آرہا تھا۔

غور کیجیے کہ جتھے اور افراد میں کیا تعلق ہوتا ہے جو انہیں اس مضبوطی کے ساتھ باہم پیوست کر دیتا ہے؟ اور کونسا داعیہ ہے جو ہر فرد کے دل میں اجتماعیت کی لگن لگا دیتا ہے؟ دنیا کی اجتماعیتوں کا امتحان کرنے سے آپ کو مندرجہ ذیل رشتے ایسے نظر آئیں گے جن کی بنیادوں پر اجتماعیت کی عمارت چنی جاتی ہے۔ بعض اجتماعیتوں میں فقط ایک ہی تعلق ربط و ضبط کا ذمہ دار ہوتا ہے اور بعض میں ایک سے زیادہ۔ جتنے زیادہ تعلقات درجہ ارتباط ہوں گے اسی قدر اجتماعیت مضبوط ہوگی اور گردشِ روزگار کے مقابلہ میں اپنے شیرازہ کو سنبھالے رکھے گی۔

(۱) انسانی نسل کا رشتہ جس طرح جانوروں میں فطری طور پر باہم رہنے کا طبعی تقاضا ہوتا ہے، جنگل میں ہرنوں کے گلے الگ چرتے ہیں، نیل گائیں اپنے گلوں میں گردش کرتی ہیں، مرغابیاں، تلیر، مکڑی، چیونٹی، شہد کی مکھی وغیرہ سب فطرت کی وجدانی رہنمائی سے اجتماعی زندگی گذارتی ہیں جو حیاۃ الحیوان کا ایک بڑا دلچسپ پہلو ہے، اسی طرح انسان میں بھی یہ وجدان بدرجۂ کمال موجود ہے اور اجتماعی زندگی کا سب سے بڑا سبب ہے۔ لیکن انسانی آبادی کچھ بہت بڑھ جانے پر سب انسانوں کا ایک ہی جماعت میں جمع رہنا ممکن نہ رہا۔ قدرتی طور پر ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ ایک ہی نقشے پر انسانوں کی کئی جمعیتیں دنیا کے مختلف اقطاع میں آباد ہو جاتیں لیکن ایسا نہ ہوا۔ ہوا یہ کہ کئی جمعیتیں بنیں اور ہر جمعیت میں وجہ اشتراک جدا ہوئی، اور مختلف جمعیتوں میں کچھ اسباب نزاع و اختلاف پیدا ہو گئے اور انسانی نسل بٹتی اور تقسیم در تقسیم ہوتی چلی گئی۔ لیکن بہر حال اس کا فطری وجدان اس رشتہ سے بیگانہ نہیں ہوا۔ نسل انسانی کی ذیلی اجتماعیتوں کے اشتراک کا باعث محدود قسم کے اسباب بنے۔

(۲) نسلی اور قومی شجروں پر مبنی جماعتیں۔ مثلاً آریائی، سامی، منگولین وغیرہ اپنے وطنوں سے نکل کر دوسرے ملکوں میں پہنچیں تو اپنی نسلی جمعیت کو ان ممالک کے بسنے والوں سے ممتاز رکھا۔

(۳) وطنی اور جغرافی اجتماعیتیں، چینی، ہندی، یورپی، انگریزی، امریکی وغیرہ قدرتی طور پر یکجا ہونے کے باعث منظم زندگی گذارنے لگیں۔ یہ اُس وقت ہوتا ہے جب نسلی اجنبیت اُنس میں بدل چکے۔

(۴) لسانی و تمدنی، جنہیں وجہ اشتراک زبان اور تمدن ہوا اور پھر اجتماعیت کا پورا نقشہ بن کر تیار ہو گیا۔ ایک زبان بولنے والوں اور مشترک تمدن پر زندگی گذارنے والوں کے لیے باہم آمیزی مختلف اللسان اور بود و ماند کے مختلف معیار والے لوگوں کی نسبت آسان ہے۔ اور اسی لیے یہ ایک بڑا مضبوط ذریعہ ارتباط ہے۔

مذکورۂ بالا گروہ بندیاں اگر اجتماعی ذہنیت پر بنیں، یعنی دوسری جماعتوں سے تعاون اور اشتراک مقصود ہو نہ کہ رقابت اور خصومت تو ان پر کوئی اعتراض نہیں۔ لیکن عموماً یہ ہوتا ہے کہ ان کی بنیادی ذہنیت غرض پر مبنی ہوتی ہے۔ ہر جماعت اپنی فضیلت کا ڈنکا بجاتی ہے اور دوسروں کو اپنے سے کمتر اور ہیچ ظاہر کرتی ہے اور اس ذہنیت

کے تحت قومی اور جماعتی تعصب کی جڑیں اتنی دور تک دھنسی ہوتی ہیں کہ غرض پرستانہ مقاصد کی انگیخت پر دوسری جماعتوں سے جنگ وجدل اور دنگا فساد چلتا رہتا ہے جس کے قصوں سے تاریخ کے اوراق جابجا داغدار نظر آتے ہیں۔

(۵) بہیمی اور مادّی طاقت کی آمریت پر مبنی گروہ بندی۔ بعض گروہ اور ٹولے اس طرح بھی منظم ہو جاتے ہیں کہ طاقت اور بہیمی کس بل کے بل بوتے پر، لوگوں میں خوف اور ہراس پھیلا کر زیر دستوں کو دہشت زدہ بنا کر لوٹ مار کی جماعت بنالی۔ دل کے کمزور لوگ اپنی عافیت کی خیر منانے کے لیے ایسے ٹولے اور اس کے لیڈر کے پیچھے ہو لیتے ہیں اور بے چون وچرا اس کی اطاعت کرتے ہیں۔ نہ کریں تو جان ومال سے جائیں۔ چوروں، ڈاکوؤں، ٹھگوں اور اٹھائی گیروں کی ٹولیاں "انڈر ورلڈ گینگز" اسی انداز پر مبنی ہیں۔ سلطنت مغلیہ کے زوال کی تاریخ میں ایسے ٹولوں کا بڑا دور دورہ رہ چکا ہے۔ افغانستان کے بچہ سقہ اور اس کے گروہ کا عروج اور زوال عہد حاضر کی تاریخ کا تازہ واقعہ ہے۔ اور سندھ کے حروں کے قصے آپ روزانہ اخباروں میں پڑھتے ہیں۔ ایسے ٹولوں کا فلسفۂ حیات "جس کی لاٹھی اسی کی بھینس" ہے۔ ان کے افراد کے درمیان تعلق میل اور جوڑ کا نہیں ہوتا بلکہ انتہائی نفسانیت اور غرضمندی کے ساتھ، لیڈر اور جماعتی نظام سے خوفزدگی اور باہمی تنافر وخدشہ کا۔ جس طرح بھاپ کی طاقت اس کے ذرّوں کے انتشار اور ایک دوسرے کو دور دھکیلنے پر موقوف ہوتی ہے۔ بھاپ کو بھی جب تک ہے۔ کسی رخ پر لگائے رکھیں اس کی طاقت انتشار سے بڑے کام لے سکتے ہیں، لیکن اگر رکاؤ اور تعطل ہو تو بائلر تک کے ٹکڑے دھماکے سے اُڑ جاتے ہیں۔ بہیمی طاقت کی آمریتیں بھی اسی نہج پر زندگی گزارتی ہیں اور اسی انداز پر ان کا شیرازہ فنا ہو جاتا ہے۔

آمریتیں ضروری نہیں کہ اپنی طرز زندگی میں ایسی ہوں کہ ان کی حقیقت کو ہر کوئی برہنہ دیکھ سکے۔ اکثر اوقات تو فریب نظر کے لیے اُن پر بڑے خوشنما لبادے پڑے ہوتے ہیں جن کے نقش ونگار میں اُلجھ کر لوگ حقیقت کی تحقیق کی جرأت ہی نہیں کرتے۔

(۶) سرمایہ داری نظام کی آمریت معاشی اقتدار کے بل پر قائم ہوتی ہے۔ چند زرپرست سرمایہ دار اس کے مالک ہوتے ہیں اور وہ اپنی اغراض برآری کے لیے مکڑی کے جال کی طرح اجتماعی نظام پھیلا لیتے ہیں۔ لیکن بہرحال جو آمریت اور ڈکٹیٹرشپ بھی اجتماعی اور نوع پروردانہ اندازِ فکر پر مبنی ہو اور فطرت کے صالح قوانین پر عامل نہ ہو وہ فاسد اور فانی ہے۔ نمائش اور پراپاگنڈا سے کچھ وقت نکل سکتا ہے لیکن نتیجہ اور انجام حقیقت پر موقوف ہے۔ سرمایہ داری نظام کی نوع کشی ڈاکوؤں اور رہزنوں کی قتل و غارت سے کہیں زیادہ خطرناک ثابت ہوئی ہے۔

(۷) اشتراکِ مفاد پر مبنی جماعتیں بھی اجتماعیت کی اہم قسم ہیں۔ مثلاً بیوپار منڈل، کسان سبھا، لیبر یونین، اور اسی طرح بھوکوں کی جماعت اور بیکاروں کی جماعت وغیرہ۔ بیروں کے ڈھیر کی طرح اُن کے شیرازے کو بکھیرنا، گردشِ لیل و نہار کے لیے کچھ مشکل نہیں۔ جب بھوکے کو روٹی مل گئی وہ جماعت سے کٹا، جب بے کار کی نوکری کا سامان ہو گیا وہ ٹولی سے چھوٹا۔ بیوپاریوں کا مشترک خطرہ ختم ہوا تو اُن کے متحدہ محاذ کے ساتھ ہی بھنڈار کا بھانڈا چوراہے میں پھوٹا اور آپس کی مقابلہ بازی شروع ہو گئی۔ ایسی جماعتیں اُسی وقت تک گٹھے کی طرح بندھی رہتی ہیں جب تک مشترک مصیبت کی رسی انھیں کس کر باندھے رکھے۔ جب جماعتی مصیبت ختم ہوئی تو جتنے جتنے کی لاکڑی جدا ہو گئی۔

ایسی جماعتیں اگرچہ عارضی مدت کے لیے اندرونی طور پر نوع پروردانہ دعاوی رکھتی ہیں لیکن اپنی جماعت سے باہر باقی سب سے مقابلہ بازی اور مخالفت مقصود ہوتی ہے اور بس چلنے پر دوسروں کے حقوق غصب کرنے کے بدترین قسم کی نوع کشی پر اُتر آتی ہیں۔ بیوپاریوں کا زائد منافع کی خاطر، ضروریاتِ زندگی کو دبا کر عوام کو فقر و فاقہ میں مبتلا رکھنا کس درجہ شقاوتِ قلبی ہے؟ یہ اسی فاسد جماعت بندی کا کھیل ہے۔

(۸) طبقاتی گروہ بندیاں:۔ دولت مند اور سرمایہ دار لوگ ایک بلند معیارِ زندگی بنا لیتے ہیں جسے شرافت اور نجابت (Nobility and Aristocracy) کا درجہ حاصل ہو جاتا ہے۔ یہ لوگ بڑی عیش و عشرت (رفاہیتِ بالغہ) کی زندگی بسر کرتے ہیں، اپنے ہم پلہ لوگوں سے ہی سماجی تعلق رکھتے ہیں اور باقی سب کو نیچ

اور اچھوت بنا ڈالتے ہیں۔ دوسرے لوگ مجبور ہو کر اپنی سوشل زندگی کی پیاس بجھانے کے لیے جدا حلقے، دائرے یا کلبیں بنا لیتے ہیں اور اس طرح متعدد مدارج دولت کے اعتبار سے متعدد سوشل طبقات (Economic classes) بن جاتے ہیں جن کے درمیان منافرت، حسد، رقابت اور دشمنی کی گہری کھائی اور عمیق خلیج حائل ہوتی ہے۔ یہ طبقاتی تقسیم انسانی اجتماعی زندگی کی بنیادوں میں بدترین گھن ہے۔ مروّج مالی اور صنعتی نظام کے تحت یہ روگ لاعلاج ہے۔

(۹) وحدتِ خیال و افکار کی بنا پر۔ (ا) مذہبی رسوم و اعمال کی گروہ بندیاں یا (ب) سیاسی عقائد و عصبیت پر مبنی جماعتیں، بڑی تاریخی اہمیت رکھتی ہیں۔

(ی) مذہب تو حقیقت میں خدا کا سکھایا ہوا پروگرام ہے جس پر چل کر انسان، روح اور جسم دونوں کے اعتبار سے کامیاب اور فائز المرام زندگی گذار سکتا ہے۔ وہ فطرت کے قوانین کا نچوڑ ہے اور نوع پروری کی جان ہے۔ وہ سچائی کا ایسا نظام ہے جو فاطر السموات والارض نے اپنے چنے ہوئے سچے اور امانت دار پیغام رسانوں کی معرفت دنیا کے کونے کونے میں پھیلا رکھا ہے اور جس کی بنیادی سچائیوں کو آپ ہر انسانی گروہ کی مقدس کتابوں میں صاف پہچان سکتے ہیں۔ اگرچہ بسا اوقات گدڑی کے لعل کی طرح جو میلے کچیلے چیتھڑوں اور کوڑے کرکٹ کے انباروں تلے دبا ہوا ہو وہ انسانوں کی اختراع کردہ گمراہیوں سے گھرا ہوتا ہے۔ اس عالمگیر سچائی کے نظام کو اللہ نے اسلام سے موسوم کیا ہے۔ (اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ) اور اس کے بغیر کوئی طرزِ زندگی اللہ کے ہاں مقبول نہیں (وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ ....) لیکن چند در چند وجوہ و اسباب سے جن کے تذکرے اور بحث کا یہ مقام نہیں، اس کی اصلیت اور حقیقت دنیا میں یوں بٹ گئی جس طرح شاعر کی داستان طائرانِ چمن میں ؎

کچھ قمریوں کو یاد ہیں، کچھ بلبلوں کو حفظ
عالم میں ٹکڑے ٹکڑے مری داستاں کے ہیں

دنیا کے ہر ہر گوشے میں مذہبی سچائی تو موجود ہے لیکن اس کے ٹکڑوں کے گرد جنگل کی کاہی، خودرو گھاس پھوس اور بیلوں وغیرہ کی باڑوں کی طرح چند خصوصی عقائد اور بعض رسوم ورواجات لپٹ گئے ہیں اور ان حشو وزوائد کا پھیلاؤ اتنا زیادہ ہوگیا ہے کہ باہر سے دیکھنے والوں کو عقائد اور ڈاگماز (Dogmas) ایسے معتقدات جنھیں کسی سوال یا چون وچرا کے بغیر تسلیم کر لینا لابدی ہوتا ہے، اس سے بحث نہیں کہ فہم وادراک انھیں قبول کرے یا سرے سے سمجھ میں نہ آئیں، ان سے انکار دھرم سے پتت ہونے کی دلیل ہے) اور خصوصی رسم رواج ہی پر اصل مذہب کا دھوکا ہونے لگا اور ایسے عقائد ورسوم کے ہر ملغوبے کو ایک جدا مذہب کا نام دے دیا گیا۔

دنیا میں جہاں عشق ومحبت کے مضمون پر اور عام معاشرتی مسائل پر اتنے افسانے تصنیف ہوجاتے ہیں کہ دنیا کے کتاب خانے اپنی وسعت کے باوجود ان کے لیے تنگ نظر آتے ہیں۔ مذہبی افسانے اور اصنامی داستانیں گھڑنے میں کیا مشکل ہے جبکہ اس پر زر ودولت اور شہرت وقبول عام کی للچاہٹ بھی اُکسا رہی ہو؟ بہرحال ایسے نظریات اور رسوم کے مجموعے جب مذہبی اہمیت اختیار کر لیتے ہیں تو لوگ اُن کے لیے لڑنا اور مرنا اپنے ذمہ فرض ٹھیرا لیتے ہیں۔ کسی کی یہ مجال نہیں کہ سوچے اور سمجھنے کی کوشش کرے کہ کسی ایسے مذہب کی ابتدا کیسے ہوئی اور کیوں چند خاص رسوم اپنائی گئیں۔ بس اتنا کافی ہے کہ بڑوں سے یونہی ہوتا چلا آیا ہے۔ اور جو اس کا استخفاف کرے یا شک کا اظہار کرے اس سے لڑمرنا نیکی ہے۔ ہر ایک گروہ اسی طرح اپنے اپنے عقائد اور رسم ورواج کے حق میں یکساں متعصب ہوتا ہے۔ دلیل وبرہان سے نہ ایک طرف کام چلتا ہے اور نہ دوسری طرف۔ اور دوسروں سے رواداری دھرم کا اپمان اور دینی بے حمیتی کے مترادف شمار ہوتا ہے۔ یہی سبب ہے کہ مذہبی مناقشے پیہم ومتواتر چلتے ہیں اور اُن کی تلخی نئے نئے عنوانوں کے ساتھ اُبھرتی اور پھیلتی رہتی ہے۔

مذہبی جھگڑوں اور اس مقدس نام پر خوں ریزیوں کی داستان بڑی طویل ہے، اور آج بھی ہماری بے تدبیری اور بدفہمی کے سبب انسانی ترقی اور فلاح وبہبود کے بڑے بڑے کام اُلجھے پڑے ہیں۔ ہم مختلف مذہبی گروہوں کو پکارتے ہیں کہ آؤ اور باہمی جھگڑے نبٹا کر امن سے گذر کرنے کی تدبیر کرو۔ ہر گروہ اپنے آزمودہ کار

نمائندوں کو چن کر اس شرط کے ساتھ مصالحت کانفرنس میں بھیجتا ہے کہ وہ اپنے دعاوی اور دواجی خصوصیتوں میں کچھ نہ کچھ دوسروں سے منوا کر اور اپنے گروہ کے فائدے کی کوئی نہ کوئی چیز لے کر آئے گا۔ نہیں تو اُسے بیداری اور نمائندگی کے پُر افتخار منصب سے معزول کر دیا جائے گا۔ وہ جاتا ہے اور طلاقت لسانی اور فاش گوئی کی داد دے کر اپنے گروہ کے تماشائیوں کی واہ واہ کے نعروں کے درمیان کسی نامعقول بات کی پچ پر اڑ کر "واک آؤٹ" کر جاتا ہے۔ اور اس محفل کی فضا میں اپنی دھواں دھار تقریر کے ایسے مسموم اجزاء چھوڑ جاتا ہے جس سے دنیا کے کرۂ ہوائی میں زہریلے اجزاء گھٹنے کی بجائے اور بھی بڑھ جاتے ہیں۔ سچا مذہب انسانوں کو باہم ملاتا اور محبت کی زندگی گذارنا ہی سکھاتا ہے۔ باہمی منافقات اور الگ الگ مذہبی گروہ بندی مذہب کے نام پر غرض پرست لوگوں کا لگایا ہوا رہتا ہے۔

(ب) سیاسی عقائد کی عصبیت پر تنظیم شدہ جماعتوں کی مثالوں میں اشتراکی (سوشلسٹ)، کمیونسٹ، اشتمالی، نیشنل سوشلسٹ (نازی)، فاشی وغیرہ ہیں جنہوں نے مضبوط اور باجبروت آمریتوں (ڈکٹیٹرشپس) کی شکل اختیار کر لی ہے۔ ان کا حسن و قبح بحث و تمحیص کی محفلوں کے علاوہ تاریخ عالم کی سب سے زیادہ ہلاکت بار جنگ کے میدان میں بھی آزمایا جا رہا ہے اور اس پر مستقبل قریب کی تاریخ قدرت کا فیصلہ سُنا دے گی۔ یہ اجتماعی سیاسی عقائد ان خصوصی حالات اور اثرات کا نتیجہ یا ردّ عمل ہیں جو بنیادی طور پر غلط اور غیر فطری تھے۔ ان سے اکتائی اور دکھی ہوئی جماعتوں نے اپنے دکھوں کا مداوا اس میں ڈھونڈا ہے، اور یہ مداوا ابھی تجربہ و مشاہدہ کے آزمائشی دَور سے گذر رہا ہے۔ لیکن بدقسمتی سے ان نظریات نے سماجی زندگی کے روگ کی جڑ کو درست کرنے کی کوئی تدبیر نہیں کی بلکہ مرض کی چند علامتوں کو سنوار کر اصلی روگ کو زیادہ مہلک بنا دیا۔ اجتماعی زندگی کے جس قدر نئے نظام بنے ہیں ان سب کے تحت بھی زندگی کے سب فوائد ایک خاص طبقے اور جماعت کے لیے مخصوص ہیں، خواہ ان فوائد کے حصول کے لیے ساری دنیا کو برباد ہی کر دینا پڑے۔ اس طرح نوع پروری کے فوائد کو ایک محدود طبقہ میں محصور کر کے عمومی نوع کُشی روا رکھنا ایسا اندھا فکر اور ایسی

بنیادی گمراہی ہے جو ان جماعتوں کو بھی باقی نہیں رہنے دے گی۔

(۱۰) سچی اٹل اور ابدی انسانی اجتماعیت وہی ہے جو انسانیت کی بنیادوں پر قائم کی جائے جس میں ہر جسم اور روح کے پتلے کو جسے انسان کہا جاتا ہے، جسمانی زیست کی ضرورتوں کی کفالت کی ضمانت دی جائے، اور راحت ضمیر کے ساتھ اس پر روحانی ترقی کی سب شاہ راہیں کھول دی جائیں۔ اس اجتماعیت میں شامل ہونے کے لیے نسلیت کا امتیاز نہ ہو، کوئی وطنیت یا قومیت وجہ ترجیح نہ ہو، کسی خاص زبان یا تمدن کی شرط نہ ہو، رنگ روپ اور جسمانی ڈیل ڈول کی کوئی قید نہ ہو اور کسی نام نہاد مذہبی اور رسمی گروہ بندی سے تعرض کیے بغیر سب آدم کے بیٹوں اور حوا کی بیٹیوں کے لیے اس میں مساوی حیثیت سے شمولیت کے دروازے کھلے ہوں۔ اس اجتماعیت میں نوع پروری کی روح جاری و ساری ہوگی۔ اس کی تنظیم کا نقشہ قوانین فطرت کے متوازی اور منشائے قدرت کے مطابق ہوگا، ہر فرد جماعت کا ایک عضو یا پرزہ بنے گا جس کے لیے وہ جسمانی اور ذہنی طور پر موزوں ہو اور اس طرح سے اجتماعیت کے نظام میں لگا دیا جائے گا جس طرح مشین کا ہر کارآمد پرزہ لگا دیا جاتا ہے۔ پھر چونکہ انسانوں کی جمعیت محض ایک مشین کے بے جان پرزوں کی آراستگی ہی نہیں بلکہ دل و دماغ رکھنے والی مخلوق کی تنظیم ہے، لہٰذا اس کے افراد کے دل و دماغ کے درمیان بھی کوئی ایسا رشتہ ہونا چاہیے جو دل و دماغ میں پیوست ہو سکے۔ یہ رشتہ محبت و الفت کا ہوگا چنانچہ اجتماعیت پر ایسا نظام الاخلاق حاوی ہوگا جو اس رشتے کی استواری کا ضامن ہو۔ محبت کا رشتہ اس قدر مضبوط ہوتا ہے کہ اس کے مقابلہ میں اور کوئی رشتہ اپنی گیرائی اور گرفت میں ٹھیر نہیں سکتا۔ بڑے بڑے مضبوط قلعے منہدم ہو جاتے ہیں، کیونکہ ان کی دیواروں کے پتھروں اور اینٹوں کے درمیان چونے اور سیمنٹ کا رشتہ ہوتا ہے۔ لیکن دلوں کے رشتے جب محبت کی گرہ میں بندھ جاتے ہیں تو انھیں نہ تو کدالیں جدا کر سکتی ہیں نہ پھاوڑے، نہ بارود اور ڈائنامائٹ کے کارتوس ہی ایسی تعمیر منہدم کر سکتے ہیں، نہ آگنی بموں کی آگ سے دلوں میں الفت کے بندھن جل سکتے ہیں۔ محبت و الفت کا نسخہ تجربہ گاہ عالم میں

سینکڑوں بار دنیا کے ہر خطے میں اور تاریخ کے ہر دور میں آزمایا جا چکا ہے۔ ہر بار اس کا ایک ہی نتیجہ نکلا۔ یعنی ایک محبت کی بستی بس گئی، امن و آشتی کا دور دورہ ہو گیا۔ ہر جسم کو امن اور ہر ضمیر کو راحت کی نعمت میسر آئی اور انسانوں کی اجتماعیت نے ترقی اور رفعت کی وہ منزلیں طے کیں کہ ملائکہ ان کی گرد کو نہ پہنچ سکے ......

لیکن جب انسانوں نے محبت کے رشتوں کو فراموش کر کے اجتماعیت کو انفرادی اغراض کی بھینٹ چڑھا دیا تو اس کا نتیجہ بھی ہمیشہ ایک ہی نکلا۔ انسانی برادری کی بستیاں برباد ہو گئیں، آبادیاں ویران ہو گئیں، اور جا بجا خودغرضی اور انانیت کے اُلّوؤں کی صدائیں بلند ہونے لگیں۔ امن جان اور راحت ضمیر کی نعمتیں عنقا ہو گئیں اور انسانی درندوں کے کرتوتوں سے انسانی برادری کے بیشتر افراد تنزل کی ڈھلوانوں سے گرتے گرتے خونخوار درندوں اور رینگنے والے سانپوں اور بچھوؤں کو پستی کے مقابلہ میں پچھاڑتے چلے گئے۔

اس معیاری اجتماعی تنظیم کی تعلیم سورۂ حجرات میں دی گئی ہے جس کے افادات آئندہ اوراق میں ذرا تفصیل کے ساتھ پیش کیے جائیں گے۔

اطلاع { ہمارے مکتبہ میں مولانا ابوالاعلیٰ صاحب مودودی کی تصانیف کے علاوہ مندرجہ ذیل مطبوعات بھی موجود ہیں۔

(۱) تفاسیر مولانا حمید الدین فراہی (مترجمہ مولانا امین احسن صاحب اصلاحی)

اقسام القرآن (۸) سورۂ اخلاص (۵) سورۂ مرسلات (۵) سورۂ عبس (۶) سورۂ والتین (۶) سورۂ والشمس (۵) سورۂ والعصر (۶) سورۂ کافرون (۴) سورۂ لہب (۴) سورۂ کوثر (۸) سورۂ فیل (۸)

(۲) سیرت سید احمد شہید (للعہ) (۳) رسالہ الفرقان کا شاہ ولی اللہ نمبر قسم اول (۱۲) دوم (۳ روپے)

مکتبہ ترجمان القرآن دارالاسلام نزد پٹھانکوٹ